راجندر سنگھ بیدی: حیات وخدمات

ڈاکٹر محمد فاروق خان
ایم۔ایس۔انٹر کالج،سکندر آباد، بلند شہر،(یوپی)،موبائل: 9359955642

پیدائش: یکم ستمبر ۱۹۱۵ء— وفات: ۱۱رنومبر ۱۹۸۴ء

راجندر سنگھ بیدی لاہور میں پیدا ہوئے،ان کے والد ہیرا سنگھ بیدی کھتری ڈاک خانے میں پوسٹ ماسٹر تھے۔گھریلو ماحول پنجابی،اردو اور انگریزی کا تھا۔اپنی والدہ سیوادائی سے گیتا کا پاٹھ پابندی سے سنتے تھے۔ والدہ تپ دق کی مریضہ تھیں۔بیدی کے والدین کا جلد ہی انتقال ہوگیا۔ انھوں نے ہائی اسکول کی تعلیم ایس۔بی۔ایس اسکول خالصہ اور انٹر میڈیٹ ڈی۔اے۔وی کالج لاہور سے کیا۔طالب علمی کے زمانے سے ہی انھوں نے محسن لاہوری کے نام سے انگریزی،اردو، پنجابی میں نظمیں اور کہانیاں لکھنا شروع کر دی تھی،لیکن اس زمانے کی ان کی تخلیقات کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔اپنے والد کی طرح بیدی نے بھی ڈاک خانے میں ملازمت اختیار کی۔۱۹۳۴ء میں ان کی شادی ستونت کور سے ہوئی۔ان کا ادبی سفر جاری رہا۔پہلے مجموعے کی اشاعت پر ہی انھیں صف اول کا افسانہ نگار تسلیم کر لیا گیا۔اپنی مقبولیت سے سرشار ہو کر انھوں نے اپنی دس سالہ ڈاک خانہ کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ریڈیو کے لیے ڈراما اور کہانیاں لکھتے رہے،لیکن یہ معاوضہ خرچ کے لیے ناکافی تھا۔اس لیے انھوں نے لاہور کو خیر باد کہہ دیا اور دہلی ریڈیو اسٹیشن آگئے۔یہاں سے انھیں بطور اسکرپٹ رائٹر لاہور ریڈیو اسٹیشن بھیج دیا گیا۔فلموں کے لیے کہانیاں بھی لکھتے رہے۔تقسیم ملک کی تباہ کاریوں نے بیدی کو بے گھر کر دیا وہ لاہور سے دہلی آگئے۔جموں وکشمیر میں ان کا تقرر ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ہوگیا،لیکن وہاں بھی انھیں سکون کی زندگی میسر نہ ہوئی اور دہلی واپس آگئے۔تلاش معاش کا سلسلہ جاری رہا،لیکن کامیابی نہ مل سکی۔

۱۹۴۹ء میں ممبئی چلے گئے اور فیمس پکچرز کمپنی میں ایک ہزار روپیہ معاوضہ پر ملازمت شروع کر دی۔بیدی نے تقریباً چالیس فلموں کے مکالمے اور ایک درجن فلموں کی کہانیاں لکھیں۔بیدی کو فلم انڈسٹری کا خود غرض،بے حس اور چمک دمک والا ماحول کبھی پسند نہ آیا۔انھیں ادیبوں فن کاروں کے ساتھ ہو رہے استحصال کا بہت دکھ تھا،لیکن ضرورتوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔بیدی کے حساس ذہن کے لیے یہ ماحول نقصان دہ ثابت ہوا۔دوستوں کے ساتھ مل کر ایک فلم کمپنی بنائی۔ اس کے بعد اپنی ذاتی کمپنی ''ڈاچی فلمز'' کے نام سے بنائی۔بعد میں ان کی کئی فلمیں کامیاب نہ ہو سکیں جس سے وہ مقروض ہو گئے۔معاشی حالت دن بدن ابتر ہوگئی۔بھائی اور بیٹی کی شادی انھوں نے قرض لے کر کی۔ ہائی بلڈ پریشر اور ذیابیطس کی بیماریاں پہلے سے تھیں فالج کے حملے نے ان کی داہنی طرف کی آنکھ،ہاتھ اور پیر مفلوج کر دیا تھا۔

بیوی بچوں سے تعلقات بھی خراب ہو چکے تھے۔ذہنی پیچیدگیوں اور بیماریوں کی وجہ سے وہ حق زوجیت بھی ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔فلم ہیروئنوں سے ان کی صحبتیں بہت بڑھ گئی تھیں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار رہتی تھیں۔بیدی کے ان تعلقات سے میاں بیوی کے رشتوں میں دراڑ پیدا ہوگئی۔ان کی بیوی ستونت کور اندر ہی اندر گھٹتی رہیں اور ۱۹۷۷ء میں اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔بیدی کی محبوبہ سمن جو بیدی کے ساتھ رہتی تھی فلم ختم ہوتے ہی شادی کر لی۔اس صدمے کو بیدی برداشت نہ کر سکے اور خودکشی کرنے کی کوشش کی۔جان بچ گئی،لیکن فالج کے حملے اور بیٹے کی موت نے انھیں بے بس کر دیا تھا۔اسی حالت میں انھوں نے اس عالم ناسوتی کو خیر باد کہا۔

بیدی کے افسانوی مجموعے دانہ ودام،گرہن،کوکھ جلی،لمبی لڑکی، اپنے دکھ مجھے دے دو،ہاتھ ہمارے قلم ہوئے،مکتی بودھ،گرہیں۔ڈرامے بے جان چیزیں،سات کھیل،اور ناول ایک چادر میلی سی ان کی فن کارانہ صلاحیتوں کی بہترین مثالیں ہیں جو ادب عالیہ میں اپنا لاثانی مقام رکھتی ہیں۔بیدی کو ان کی خدمات کے اعتراف میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ۱۹۵۶ء، پدم شری ۱۹۷۲ء،مودی غالب ایوارڈ ۱۹۷۸ء اس کے علاوہ فلم فیئر اور دوسرے کئی ریاستی ایوارڈ سے نوازا گیا۔بیدی نے ساہتیہ اکادمی کی ایک تقریب میں ''میں اور میرا فن'' کے عنوان سے اپنی تخلیقات سے متعلق

اہم باتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ہندوستانی ادیبوں کے بہترین ادب نہ لکھنے پر بھی افسوس کیا ہے ساتھ ہی بہترین ادب کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں وہ لکھتے ہیں:

> ''میں ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں جنھیں شروع زندگی ہی میں پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کسی کام کے اہل نہیں۔ پھر وہ زندہ رہنے، اس بے رحم دنیا میں اپنے لیے جگہ پانے کے لیے ادھر ادھر پاؤں مارتے ہیں اور آخر ڈوبتوں کو کہیں تنکے کا سہارا مل جاتا ہے۔ میں نے مختصر افسانے میں اس سہارے کو پالیا۔ اس کے بعد کئی برس اسی شک اور وسوسے میں گزر گئے کہ میں جو لکھتا ہوں، وہ میری تسکین کے علاوہ دوسروں کو بھی قبول ہے اور سماجی اعتبار سے اس کا کچھ فائدہ بھی ہے یا نہیں۔ آج اپنے ملک کا سب سے بڑا ادبی ادارہ ایک طرف تو اس شک کو دور کررہا ہے تو دوسری طرف مجھ پہ ایک ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈال رہا ہے ......اپنی پوری ادبی زندگی میں میں نے بڑے درد کے ساتھ یہ محسوس کیا ہے کہ اکادکا نادر پاروں کے علاوہ ہم ہندوستانی ادیب کوئی چیز ایسی نہ دے سکے جس پر نہ صرف ہمارا ملک بلکہ بدیش کے لوگ بھی ناز کرسکیں۔ کالی داس کے بعد ایک اتنا بڑا خلا ہے جس کے نہ پاٹ سکنے کی ذمہ داری ہم ادیبوں پر عائد ہوتی ہے...... میرے نزدیک یہ حقیقت ہے کہ ہم تجرد کے بہت قائل ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خالص ہندوستانی ادب نام کی کوئی چڑیا نہیں ہوسکتی۔ جب تک ہماری نگاہ پورے عالمی ادب پر نہ ہوگی ہم قومی ادب پیدا نہیں کرسکیں گے۔ اس سلسلہ میں وہی کلیہ اول اور آخر ہے کہ فن کو ہیئت کے اعتبار سے بین الاقوامی اور نفس مضمون کے اعتبار سے قومی ہونا چاہیے۔''[۱۱]

راجندر سنگھ بیدی اردو ادیبوں میں ایک خاص اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وہ کم لکھتے تھے، لیکن جو بھی لکھتے تھے وہ فنی و ادبی اعتبار سے بہت اہم ہوتے تھے۔ وہ تمام جدید افسانہ نگاروں کے برخلاف رومانیت، انقلابیت، جنس جیسے ہیجان انگیز تجربات سے الگ زندگی سے مانوس اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو اپنا موضوع بناتے تھے۔ انداز بیان اتنا جاندار اور پراثر ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ اور فقرہ نپا تلا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی چھوٹی سے چھوٹی کہانی میں کوئی خیال کوئی لفظ غیر ضروری نہیں ہوتا۔ وہ کسی حقیقت یا کہانی کے خیال میں آتے ہی فوراً صفحۂ قرطاس پر لانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کے حقائق تک پہنچنے اور گہرائی کے ساتھ اس کے جزئیات پر غور و فکر کرتے ہیں تب کسی فن پارے کی تخلیق کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے افسانے مضبوط اور گٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بیدی لکھتے ہیں:

> ''جب کوئی واقعہ مشاہدے میں آتا ہے تو میں اسے من وعن بیان کردینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کو احاطۂ تحریر میں لانے کی سعی کرتا ہوں۔''[۱۲]

بیدی کے افسانوں کے موضوعات متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن میں بطور خاص سکھ ہندو گھرانوں کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے عام زندگی کی گھریلو الجھنوں، پریشانیوں، خواہشوں، تمناؤں، دکھ درد اور خوشیوں کو اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیدی کے یہاں کرداروں کی نفسیات ان کی ذہنی کشمکش کا گہرا مطالعہ اور حقیقت نگاری کا بیان بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے ذریعہ انسانی کمزوریوں، اس کی خوبیوں اور خامیوں کو پیش کرکے سماج کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کو اعلیٰ معیار کے افسانوں سے زرخیز کیا۔ ان کے افسانوں میں فنی عظمت، بشری محاکات کی باریک بینی، مشاہدات، سماجی بصیرت، حیات اور نظریۂ کائنات کی جدوجہد اور طبقاتی کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔ بیدی بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور انسان دوستی کے قائل تھے۔ ان کے نظریۂ فن کی اساس ان ہی محاسن پر قائم ہے۔

بیدی کے افسانوں میں گھریلو عورت کے مختلف رشتوں کے تناظر میں عورت کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں بوڑھی، جوان، طوائف سبھی طبقے کی خواتین شامل ہیں۔ بیدی کی تخلیقات میں عورت ہر جگہ دکھ سہتی اور پدری نظام و جبر برداشت کرتی نظر آتی ہے، اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتی۔ انھوں نے ہر عمر کی عورت کے نجی اور داخلی احساسات اور ان کے نفسیاتی و جنسی جذبات کی انتہا کی اور باریکیوں کی ترجمانی کی ہے۔ لاجونتی افسانہ عورت کے ذہنی و جذباتی کشمکش کی بہترین مثال ہے۔

اس میں بیدی نے لاجونتی کے جذبات و احساسات کی ترجمانی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ لاجونتی کا شوہر اس کے اغوا ہونے سے پہلے اسے خوب مارتا پیٹتا ہے۔ جب وہ اسے دوبارہ حاصل کرلیتا ہے تو وہ اسے دیوی کا درجہ دے دیتا ہے، لیکن واپسی کے بعد لاجو اور سندر لال میں ایک جھجک قائم رہتی ہے جو انسان کے اہم راز کو منکشف کرتی ہے۔ لاجو چاہتی ہے سندر لال کے ساتھ پہلے جیسا سلوک کرے۔ وہ اپنے شوہر سے اچھے سلوک کی امید نہیں کرتی بلکہ وہ اس کی وہی لاجو بن کر رہنا چاہتی

ہے جو ''گاجر سے لڑ پڑتی اور مولی سے مان جاتی'' سندر لال کے اچھے سلوک سے وہ بے چینی محسوس کرتی ہے۔ لاجو کو اپنے رشتے میں اجنبیت کا احساس ہوتا ہے جسے وہ بیان بھی نہیں کرسکتی۔ لاجو کی اس ذہنی کشمکش کو بیدی نے بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

ایک چادر میلی سی کی رانو پنجاب کی ثقافت اور رسم و رواج کی ترجمان ہے۔ جو شوہر اور ساس سسر کے ظلم و جبر برداشت کرتی ہے کیوں کہ وہ ایک ایسے روایت پرست ماحول میں جنم لیتی ہے جہاں اسے صبر و تحمل اور پدرانہ نظام جبر کو برداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہوتی ہے۔ اس کا شوہر شرابی اور ظالم ہے روزانہ اسے پیٹتا ہے۔ ایک دن اس کا قتل ہوجاتا ہے۔ تو رانو کی شادی بیٹے جیسے دیور سے کردی جاتی ہے۔ اس کے سر پر میلی چادر ڈال دی جاتی ہے تاکہ اسے سہارا مل جائے۔ رانو سب کچھ اپنے بچوں اور سماج کی خاطر برداشت کرتی ہے اور دیور کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا شوہر بنانے پر مجبور ہوتی ہے۔ رانو کے جذبات و احساسات کی ترجمانی بیدی نے بڑی چابکدستی سے کی ہے۔

بیدی کے افسانوں کا تانا بانا زندگی کے تلخ ترین حقائق سے بنایا گیا ہے، لیکن ان کے یہاں تلخی بیزاری کا روپ اختیار نہیں کرتی ہے۔ وہ زندگی کے تاریک گوشوں میں بھی ہمدردی اور انسانیت کی جوت جگانے کا ہنر رکھتے ہیں، جو زندگی کے مسائل کو قابل برداشت بنا دیتی ہے۔ بیدی کے یہاں دھیمی مسکراہٹ دلکش اور مؤثر ہے۔ ان کے کرداروں میں نفسیات کا گہرا مطالعہ اور طنز کی دبی دبی لہر بھی موجود ہے۔ ان میں دس منٹ بارش، گرم کوٹ، من کی من، چھوکری کی لوٹ، منگل اشٹکا، رحمٰن کے جوتے، غلامی، آلو، حیاتین وغیرہ بہترین مثالیں ہیں۔ بچوں کی نفسیات کو بھی بیدی نے بہت قریب سے دیکھا اور اپنے افسانوں میں انہی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے مثلاً تلادان اور بھولا وغیرہ۔

کردار نگاری کے اعتبار سے بیدی کے یہاں یکسانیت پائی جاتی ہے، لیکن وہ اپنے کرداروں میں زندگی ڈال کر اسے لازوال بنا دیتے ہیں۔ بیدی فن پر اتنی توجہ صرف کرتے ہیں کہ زبان میں کہیں کہیں غلط اور خام استعمال کرجاتے ہیں۔ اس کی وجہ موضوع پر بہت زیادہ غور و فکر ہے۔ اس عمل میں جتنی تاخیر ہوتی ہے قلم کی روانی میں ایک حد تک فرق پڑنا فطری ہے۔ بیدی کے افسانے فن افسانہ نگاری پر پورے اترتے ہیں۔ انھوں نے رمز و علامت کا استعمال بڑے فن کارانہ انداز میں کیا ہے۔ بیدی کے افسانوں کے مکالمے نہایت چست اور برمحل ہوتے ہیں۔ ان میں جامعیت کے ساتھ ساتھ فطری حسن بھی موجود ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں سماجی نقاد کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شادی بیاہ کے بیجا رسم و رواج پر بھی انھوں نے طنز کیا ہے۔ انھوں نے پنجاب کی دیہاتی زندگی کی خوبیوں خامیوں کو ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے غریب، کمزور اور گاؤں کی زندگی کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ بیدی قدیم رسم و رواج، عقائد، اساطیری عناصر اور کتھاؤں کی مدد سے ایک نیا جہاں آباد کرتے ہیں۔ جو ہندوستانی مزاج اور رسم و رواج سے قریب تر ہے۔ بیدی کی کہانیوں کا اختتام بہت جان دار ہوتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری ان کی کہانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ان کی کہانیوں میں اس ہندوستان کی تصویر جھلکتی ہے جو کروڑوں جاہل، غریب اور توہم پرست انسانوں کا ملک ہے، مگر جن میں ان تمام کمزوریوں اور موانعات کے باوجود ایک توانائی، ایک کس بل، زندگی کی بنیادی اچھائی میں یقین اور بعض تہذیبی قدروں کا عکس ملتا ہے۔'' [۳]

بیدی ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر تھے۔ اپنے معاصرین کی طرح ان کے یہاں جارحانہ انداز نہیں ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں کمزور طبقے کی حمایت کی ہے، لیکن اپنے فن کو محدود نہیں کیا اور نہ ہی اسے پروپیگنڈہ بننے دیا۔ ان کی کہانیاں حقیقی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے پہلے مجموعے دانہ و دام میں زندگی کی گہری سچائیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے سبھی مجموعے لافانی ہیں اور اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کا ناول ایک چادر میلی سی میں نہ صرف پنجاب کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کی گئی ہے بلکہ پورے ہندوستان کے گاؤں کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے اور اپنی فنی خوبیوں کی بدولت ناول نگاری کی فہرست میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔

بیدی کے ڈرامے بھی اردو ادب کی تاریخ میں اہم مقام کے حامل ہیں۔ ان کے ڈرامے نظریاتی اعتبار سے قدیم روایت کے پرستار، حقیقت نگاری، سماجی، اشتراکی اور نفسیاتی سے قریب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے موضوعات تاریخی، سائنسی اور طبقاتی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ بیدی نے اپنے ڈراموں میں نچلے اور درمیانی طبقے کے مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ دونوں طبقوں کی منظر کشی ان کے اعتقاد و نظریات، ان کی محرومیوں اور مجبوریوں، آرزوؤں، تمناؤں، خوشی و غم کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیدی کے ڈراموں میں کرداروں کے مقابلے پلاٹ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ وہ واقعات کی طرف اپنی توجہ زیادہ مرکوز کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ڈرامے کے مطالعہ سے

اندازہ ہوتا ہے کہ بیدی ڈراما نگاری میں اپنے ہم عصروں سے پیچھے نہیں ہیں۔ انھوں نے ڈرامے میں اپنے مقصد کو سیدھے سادے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیدی کے افسانوں کے متعلق خالد علوی اپنے مضمون ''راجندر سنگھ بیدی کا فن'' میں لکھتے ہیں:

''......راجندر سنگھ بیدی انسانی ذہنی رویوں اور باطنی کشمکش کے افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کا غیر معمولی جوہر ان کی کفایت لفظی بھی ہے۔ بیدی اپنے کرداروں کے لیے سزا و جزا کا فیصلہ نہیں کرتے۔ ان کے افسانے انسانی ذہنوں کی رستا خیز اور فطری جذبات کے عکاس ہیں۔ وہ افسانے کی تکنیک کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ شاید اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ، لیکن وہ تکنیکی تجربات کے بہت زیادہ قائل نہیں تھے اسی لیے ان کے افسانوں میں تکنیکی تجربے نظر نہیں آتے ...... بیدی کے افسانوں کی ایک خوبی مخصوص ثقافتی فضا آفرینی ہے۔ ثقافتی فضا پنجاب کے ماحول کی منظر کشی میرا مطمح نظر نہیں ہے جو بیدی کو بہت مرغوب ہے بلکہ ہندو اساطیر کا وہ اظہار ہے جو تخلیق کو اساطیری تناظر کے ساتھ عمق بخشتا ہے، زیادہ بامعنی بناتا ہے اور ہمارے بعض ذہنی رویوں کی تفہیم کے لیے تاریخی یا اساطیری منظر فراہم کرتا ہے ...... بیدی نے زبان، علامت، رمز نگاری اور اختصار سے اردو افسانے کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں اس سے قبل اردو افسانہ کبھی نہ تھا۔ اردو فکشن کو اتنا محتاط فن کار نہ ملا تھا۔ بیدی کے یہاں کئی قبیل اور کئی فضاؤں کے افسانے ہیں۔ کبھی کبھی تو ان کے افسانوں کی فضا اتنی مختلف ہوتی ہے کہ وہ ایک افسانہ نگار کی تخلیقات معلوم نہیں ہوتیں۔''[۴]

۱۔ میں اور میرا فن: راجندر سنگھ بیدی: رسالہ آج کل اردو ستمبر ۲۰۱۵، ص:۶۔۸

۲۔ کلیات راجندر سنگھ بیدی: جلد دوم: مرتب وارث علوی، ص:۵۶۷

۳۔ بحوالہ اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک: خلیل الرحمٰن اعظمی: ص:۱۹۲

۴۔ مضمون راجندر سنگھ بیدی کا فن: خالد علوی: آج کل اردو ستمبر ۲۰۱۵: ص:۹۔۱۳

○○

قلماروں سے گزارش

- ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے/کہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات جن میں بینک اکاؤنٹ میں درج نام، اکاؤنٹ نمبر، بینک کا نام اور برانچ اور بینک IFSC کوڈ جو پاس بک اور چیک پر درج ہوتا ہے ضرور بھیجیں تاکہ تحریر شائع ہو جانے پر اعزازیہ بینک کے ذریعہ ٹرانسفر کیا جاسکے۔
- قلمکاروں سے سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ